قرآن اور نظام حکومت

سرکار سید العلماء الحاج
مولانا السید علی نقی النقوی طاب ثراہ

تعارف

سرکار سید العلماء مدظلہ کا یہ گرانقدر مقالہ پاکستان کے کوثر نیازی صاحب جن کا وہاں کے سنجیدہ علماء میں شمار ہوتا ہے اور موصوف نے نظام حکومت کے موضوع پر وہاں کے جرائد میں جو خامہ فرسائی فرمائی تھی، اس کا مدلل جواب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور نظام حکومت

پاکستانی اکثریت کے سنجیدہ علماء میں ایک جناب کوثر نیازی ہیں،
مگر کتنا ہی سنجیدہ آدمی ہو روایات قدیمہ کی زنجیروں سے اس کے لئے
رہائی بڑی دشوار ہے۔ چنانچہ پاکستانی جرائد میں نظام حکومت کے
بارے میں جو انکے خیالات آئے ہیں وہ صاف اس روایت پرستی کے
حامل ہیں جہاں آدمی سوچ اور سمجھ کی باتیں کرتے کرتے ایکدم بے
سوچی بصرف حفظ کی ہوئی باتیں کہنے لگتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک
دم یہ فرمایا کہ ''اسلام نے نظام حکومت کے بارے میں کوئی واضح
رہنمائی نہیں کی ہے'' حالانکہ قرآن مجید میں صاف اعلان موجود ہے کہ

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم

''پیغمبرؐ کو مومنین پر خود ان کے نفوس سے زیادہ اختیار ہے''

اب جبکہ مومنین کا ذاتی اختیار ہی رسولؐ کے مقابلہ میں سلب ہو گیا تو

نہ انکا متفقہ فیصلہ کوئی چیز رہا اور نہ اکثریت کی رائے کا کوئی اعتبار باقی رہا

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے :

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم

کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ اور پیغمبرؐ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر وہ اپنے معاملات میں کسی اختیار سے کام لیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ نظام شوروی کے لئے جو آیت پیش کی جاتی ہے :

وامرهم شورى بينهم اور اسی کی بنا پر کوثر نیازی صاحب بھی فرما رہے ہیں کہ :۔ '' شرط یہ ہے کہ نظام حکومت مشاورتی ہونا چاہئے '' اس میں جو امر کی لفظ ہے، یہی لفظ امر '' ما کان لھم الخیرۃ من امرھم '' میں بھی موجود ہے۔

اب اگر وہاں امر کے معنی وہ ہیں جیسے کہتے ہیں کہ میں ایک امر میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات کو مشورہ

سے طے کرنا مناسب ہے۔ یہ حکم ارشادی روزمرہ کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے، اسمیں نظام حکومت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تو ہماری پیش کردہ آیت میں یہ مطلب ہوگا جیسا کہ ہمنے ترجمہ کیا ہے، کہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کے بعد انہیں اپنے معاملات میں کسی فیصلہ کا اختیار نہیں ہے، اس صورت میں دونوں آیتوں سے یکجائی طور پر یہ نتیجہ نکلے گا کہ شوریٰ ان معاملات میں ہوگا جہاں خدا اور رسولؐ کا کوئی فیصلہ موجود نہیں ہے۔

اور اگر اس سے نظام حکومت مراد ہے تو پھر یہاں یہ معنی قرار پائیں گے کہ جب خدا اور رسولؐ کوئی فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے نظام حکومت کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

لہٰذا ہر صورت میں خدا اور رسولؐ کی جانب سے کسی حاکم کے تقرر کے بعد نہ اجماع کا کوئی محل ہوگا نہ شوریٰ کا۔

''نظام حکومت مشاورتی ہونا چاہئے'' اسکا مطلب ایک تو یہ ہو سکتا

ہے کہ سربراہ حکومت کو مشورہ سے منتخب ہونا چاہئے اور دوسرا مطلب یہ کہ حاکم کا انتخاب جس طرح بھی ہوا ہو مگر وہ معاملات اور اقدامات کو مشورہ کے ساتھ انجام دے گا۔

اگر پہلی صورت مراد ہو تو معلوم ہونا چاہئے کہ عام الفاظ میں جب اسلامی حکومت کی تشکیل ہوئی تو سب سے پہلے سربراہ اس کے جو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، کیا کسی مجلس شوریٰ کے منتخب کئے ہوئے تھے؟

خیر مدینہ کی ہجرت سے پہلے تو کہا جاتا ہے کہ آپکی حیثیت صرف رسولؐ کی تھی لیکن مدینہ میں آنے کے بعد جب قوم کی تشکیل ہوگئی تھی اور آپکی حیثیت ایک حکمران کی ہونیوالی تھی تو اگر اسلام میں حکمراں کے انتخاب میں شوروی اصول ہوتا تو پیغمبرؐ خدا کو مسلمانوں کی کانفرنس کرکے اس مسئلہ کو آمیں رکھنا چاہئے تھا اور اب مسلمانوں کو اختیار رہوتا کہ وہ سربراہ حکومت آپ ہی کو منتخب کریں یا آپکو صرف دینی رہنما

تسلیم کریں اور سربراہ مملکت کسی اور کو قرار دے لیں۔ اسطرح وہ آپ سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا اور آپ امور مملکت میں اسکی اطاعت فرماتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا، اور قطعاً نہیں ہوا۔ یہ امر اس تصور کے غلط ثابت کرنیکے لئے کافی ہے، اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں یعنی یہ کہ حاکم جس طرح سے مقرر ہوا ہو، اقدامات کو اسکے بہر حال شوریٰ سے ہونا چاہئے تو حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل نہ پیغمبرؐ خدا کے یہاں ثابت ہوتا ہے، نہ آپ کے بعد جو اکثریت کے تسلیم کردہ حکمران ہوئے، انکے یہاں صحیح معلوم ہوتا ہے۔ رسولؐ نے حدیبیہ میں صلح کی جبکہ رائے عام مسلمانوں کی اسکے خلاف تھی۔

خلیفۂ اول نے جیش اسامہ کے بھیجنے کے بارے میں اہل مشورہ کی مخالفت کا لحاظ نہ کیا۔ نہ مالک بن نویرہ کے قتل ہونے پر خالد بن ولید کے معزول کرنے کی رائے پر عمل کیا۔ خلیفہ سوم نے اپنے عزیزوں کو عہدے دینے کے خلاف جو رائے عام تھی اسکی پیروی نہ کی۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو یہ رائے دی گئی کہ وہ معاویہ کو سردست حکومت شام پر گورنر کی حیثیت سے برقرار رہنے دیں مگر آپنے اس رائے پر عمل کرنا جائز نہ سمجھا۔ معلوم ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نقطۂ نظر کے مسلمان کے لئے جن حکام کا عمل مستند ہو سکتا ہے وہ اسپر کاربند نہ تھے کہ " نظام حکومت مشاورتی ہونا چاہیئے "

لطف یہ ہے کہ مولانا کوثر نیازی صاحب کو اسکا اقرار ہے کہ:۔

" قرآن پاک نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جزئیات تک میں فرزندان توحید کی راہنمائی کی ہے، اور جس مسئلہ کو معین کرنا چاہا ہے فکر پر نہیں چھوڑا، بلکہ پوری طرح متعین کر دیا اور اہل اسلام اس متعین راستے سے بال بھر بھی تجاوز نہیں کر سکتے "

مگر اسکے ساتھ ایک عدد "لیکن" کے ساتھ وہ فرماتے ہیں کہ:

نظام حکومت کو متعین کرنے کے لئے قرآن پاک نے صرف اور صرف اس حد تک رہنمائی کی ہے کہ نظام حکومت مشاورتی ہونا چاہیئے۔

اسکے علاوہ قرآن پاک نے کوئی واضح اصول مقرر نہیں کیا ہے۔

اب بھلا کس عقل سلیم کے قبول کرنیکی یہ بات ہے کہ جس کتاب نے جزئیات زندگی کو تشنۂ ہدایت نہ چھوڑا ہو، وہ حکومت ایسی ہمہ گیر اثرات رکھنے والی چیز کو بالکل تشنہ چھوڑ دے اور اسے خطا کار انسانوں کی اغراض کے ماتحت دانستہ اور جہالت کے ماتحت نادانستہ غلط کاریوں کے حوالے کر دے۔

اگر حکومت کے بارے میں اسنے کوئی ہدایت نہیں کی ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا زیادہ صحیح ہے کہ یہاں دینی رہنما سے الگ کسی حکومت کا تصور ہی نہیں ہے، اور اگر دینی رہنما تقسیم عمل کے ماتحت کسی کو بحیثیت حکمراں تجویز بھی کر دے تو نظام حکومت میں اسے ہدایات دینی رہنما ہی سے حاصل کرنا پڑینگے، نہ اپنی انفرادی رائے سے کام لینے کا حق ہوگا اور نہ دنیاوی لوگوں کے شوریٰ سے غرض ہوگی۔

ہاں دنیاوی معاملات میں خود وہ رہنمائے دین جب مناسب

سمجھے کچھ لوگوں سے مشورہ کرلے جسکا مقصد ان لوگوں کو نتیجہ کا ذمہ دار بنانا بھی ہوسکتا ہے، اور تالیف قلوب بھی جو قرآنی ارشاد "وشاورھم فی الامر" کے سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ لیکن وہ ان مشوروں پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے، بلکہ جب مناسب سمجھے عمل کرے اور جب مناسب نہ سمجھے عمل نہ کرے۔ "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ"

جیسا کہ پیغمبرؐ خدا کے عمل کی مثالوں سے سامنے آتا ہے جو بلا تفریق فرقہ سب کے لئے سند ہے۔ اور خلفائے ثلثہؓ کے عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جو مسلمانوں کی اکثریت کیلئے تو سند ہے ہی اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے عمل سے بھی جو پھر فریقین کیلئے سند قرار پاتا ہے

کوثر صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ بعض پیغمبر بادشاہ بھی تھے اور بعض پیغمبروں نے بادشاہ کا تقرر بھی کیا"۔

مگر یہاں نیازی صاحب اس رخ کو فراموش کر گئے کہ جو پیغمبر

بادشاہ ہوئے یا جنھوں نے بادشاہوں کا تقرر کیا وہ کیا بر بنائے شوریٰ
ہوا تھا۔

قرآن تو قصۂ طالوت میں صاف بتا رہا ہے کہ وہ بادشاہ بھی جو پیغمبرؐ کی جانب سے مقرر ہوتا ہے اسمیں کسی شوریٰ کا دخل نہیں ہوتا، یہاں تک کہ قوم معترض بھی ہوتی ہے تو اسکے اعتراضات کی پرواہ نہیں کی جاتی اور انتخاب الٰہی کا حوالہ دیکر اسے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بادشاہ بھی جس کی حکومت دینی و اسلامی حکومت کہی جا سکے وہی ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے منتخب ہو۔ خواہ وہ خود نبی یا رسول ہو اور خواہ نبی و رسول کی طرف کا مقرر کردہ حکمران ہو۔ اسکے علاوہ جو حکومت بنے گی، وہ خواہ مستبد بادشاہ کی نوعیت کی ہو یا شوروی طرز کی ہو، دنیوی حکومت ہوگی، دینی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میرزا جمال اصغر ۹۱۴۵۰ ۲۳۳۸۹۱۴